شریعت، طریقت اور اجتماعیت پر مبنی دینی شعور کا نقیب

ماہنامہ

رحیمیہ

لاہور

زیرِ سرپرستی: حضرت اقدس مولانا **شاہ سعید احمد** رائے پوری دامت برکاتہم العالیہ مسند نشین سلسلہ عالیہ رحیمیہ رائے پور

مجلس ادارت

صدر مجلس: ڈاکٹر مفتی سعید الرحمٰن

مدیر اعلیٰ: مفتی عبد الخالق آزاد

مدیر: محمد عباس شاد

دسمبر 2010ء / ذی الحج، محرم الحرام 1431ھ / 1432ھ CPL No .59 جلد نمبر 2 شمارہ نمبر 12 ☆ قیمت فی شمارہ: مبلغ 12 روپے ☆ سالانہ ممبر شپ: مبلغ 150 روپے

ترتیب عنوانات

درسِ قرآن: تشریح حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ 2

درسِ حدیث: تشریح... حضرت مولانا خواجہ عبد الحیٔ فاروقیؒ 2

اداریہ........................مدیر اعلیٰ 3

دین حق کے غلبے کی جدوجہد اور ہماری ذمہ داریاں 3

خطاب: حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوری دامت برکاتہم العالیہ

خطبہ جمعۃ المبارک........................مفتی عبد الخالق آزاد 4

رفتار کار .... عتیق الرحمٰن ایڈووکیٹ 8

مجلس مشاورت

حضرت مولانا مفتی عبد المتین نعمانی	(بورے والا)
حضرت مولانا مفتی عبد القدیر	(چشتیاں)
حضرت مولانا مفتی عبد الغنی قاسمی	(لاہور)
حضرت مولانا محمد مختار حسن	(نوشہرہ)
حضرت مولانا پروفیسر حسین احمد علوی	(چشتیاں)
حضرت مولانا صاحبزادہ رشید احمد	(ڈیرہ اسماعیل خاں)
محترم محمد اسلوب قریشی	(لاہور)
محترم سید مطلوب علی زیدی	(لاہور)
حضرت مولانا مفتی محمد اشرف عاطف	(سعودی عرب)
محترم سید اصغر علی شاہ بخاری	(پیر جو گوٹھ)
محترم ڈاکٹر لیاقت علی شاہ معصومی	(سکھر)
محترم سید سیف الاسلام خالد	(راولپنڈی)
محترم ڈاکٹر عبد الرحمٰن راؤ	(سرگودھا)
محترم انجینئر آفتاب احمد عباسی	(کراچی)
حضرت مولانا قاری تاج افسر	(اسلام آباد)
حضرت مولانا محمد ناصر عبد العزیز	(جھنگ)
حضرت مولانا قاضی محمد یوسف	(حسن ابدال)
حضرت مولانا عبد اللہ عابد سندھی	(شکار پور)

ارشادِ گرامی

حضرت اقدس مولانا
شاہ **عبد القادر** رائے پوری قدس سرہ
مسند نشین ثانی خانقاہِ عالیہ رحیمیہ رائے پور

فرمایا: ''انسان کو ذکر اللہ کا اہتمام کرنا چاہیے۔ جس میں استعداد ہوگی، خود بخود اِدھر (اللہ کی طرف) کو کھنچ جائے گا۔ بس اتنا ہے کہ غفلت دور ہو۔ ذکر سے مقصود صرف یہی ہے۔ کیوں کہ غفلت سے خالص عبادت بھی بے اثر ہو جاتی ہے۔ اور بیداری کے ساتھ مباحات بھی مفید ہیں۔ یہ مطلب نہیں کہ فرائض کا اہتمام نہ کرے۔ کیوں کہ اصل مُضر چیز غفلت ہے۔ ہر عمل میں جتنی غفلت ہوگی، اُتنا ہی وہ عمل کم درجے کا ہوگا۔ اور غفلت سے مراد بغیر نیت اور احساسِ نیت کے کام کرنا ہے۔''

فرمایا: ''یاد رکھو! ایک تو (ذکر اللہ کو) وِرد کے طور پر پڑھنا ہے۔ اگرچہ غفلت سے پڑھنا بھی فائدے سے خالی نہیں۔ اس لیے وِرد کے طور پر پڑھنا پھر کیسے فائدے سے خالی ہو سکتا ہے! مگر اسے تعشّق کے طور پر پڑھنا، خواہ پُرشوق اشعار کے ساتھ ہو یا ویسے ہی، زیادہ نفع بخش ثابت ہوتا ہے۔ الغرض عشق کے جذبے کو اُبھار کر ذکر کرنے کا بہت فائدہ ہے۔ اس طرح تھوڑے سے ذکر سے بھی زیادہ فائدہ ہوتا ہے۔''

(مجلس: 08/ ذی الحجہ 1365ھ/ مطابق 02 نومبر 1946ء، بمقام: رائے پور)

(ارشادات از حضرت شاہ عبد القادر رائے پوری قدس سرہ، ص 105، مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ، 25 لوئر مال، لاہور)

شعبہ مطبوعات

ادارہ رحیمیہ علوم قرآنیہ (ٹرسٹ رجسٹرڈ)

مین کیمپس لاہور **رحیمیہ** ہاؤس، 33/A کوئینز روڈ (شارع فاطمہ جناح) لاہور
092-42-36307714 , 36369089 www.rahimia.org

ریجنل کیمپس کراچی
رحیمیہ ہاؤس 9/A، سینٹر پوائنٹ سوسائٹی، بلاک نمبر 21
راشد منہاس روڈ، فیڈرل بی ایریا، کراچی
0092-21-36321616 , 36320707

ریجنل کیمپس سکھر
فلیٹ نمبر 111، 1st فلور، رائل اپارٹمنٹ
ریس کورس روڈ، سکھر
0092-71-5615185

ریجنل کیمپس ملتان
رحیمیہ ہاؤس 30/A، سٹریٹ نمبر 2، خان کالونی
چونگی نمبر 7، ایل ایم کیو روڈ، ملتان
0092-61-6212021

سالانہ ممبر شپ کی رقم ''ناظم دفتر'' کے نام ارسال کریں، اپنا پتہ صاف اردو میں اور خوشخط لکھ کر بھیجیں۔ ● پرچہ ہر ماہ کی 3 اور 4 تاریخ کو ارسال کر دیا جاتا ہے۔

رحیمیہ کا انگلش ایڈیشن ہماری ویب سائٹ پر پڑھا جا سکتا ہے۔

ترقی کرنے والی سوسائٹی کے چار اہم اجزا

تشریح: امامِ انقلاب مولانا عبیداللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ

وَمَنۡ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوۡلَ فَاُولٰٓـئِكَ مَعَ الَّذِيۡنَ اَنۡعَمَ اللّٰهُ عَلَيۡهِمۡ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيۡقِيۡنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيۡنَ‌ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓـئِكَ رَفِيۡقًا (69:4)

''جس نے اللہ اور رسول کی اطاعت کی، پس وہ اللہ تعالیٰ کے انعام یافتہ لوگوں یعنی انبیا، صدیقین، شہدا اور صالحین کے ساتھ ہوں گے۔ اور ان کی معیت اور رفاقت بہترین ہے۔''

قرآن حکیم نے انعام یافتہ سوسائٹی کی تشریح اس آیت میں کی ہے اس آیت پر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ انسان میں دو قسم کی قوتیں پائی جاتی ہیں: (1) علمی اور (2) عملی

اگر انسان کی فطرت سلیم ہو تو علم اور عمل میں تفریق نہیں ہو سکتی۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ کسی انسان میں ایک قوت زیادہ ہو، کسی میں دوسری۔ اسی وجہ سے انسان ایک دوسرے کے محتاج ہوتے ہیں اور انہیں ایک دوسرے پر فضیلت حاصل ہوتی ہے۔ اس کمی بیشی کے لحاظ سے انسان کی علمی اور عملی قوتوں کے دو درجے ہو سکتے ہیں: (1) فاعلی اور (2) انفعالی

(الف) أنبیا (یہ ''نبی'' کی جمع ہے): جس انسان میں علمی اور عملی قوتیں فعالیّت کے بہت بلند درجے پر ہوں، اور وہ منبع علم سے براہ راست علم حاصل کر سکتا ہو، اسے ''نبی'' کہتے ہیں۔ یہ صدیقین، شہدا اور صالحین پیدا کرنے والے اساتذہ ہیں۔

(ب) صدیقین (یہ ''صدیق'' کی جمع ہے): جس شخص میں علمی قوت انفعالی لحاظ سے بلند درجے کی ہو، وہ منبع علم سے براہِ راست تو علم حاصل نہیں کر سکتا، لیکن اگر اس میں عملی قوت بہت بلند درجے کی ہو تو اسے ''صدیق'' کہتے ہیں۔

(ج) شھدا (یہ ''شھید'' کی جمع ہے): جو لوگ قوت عملی میں بلند درجہ کے مالک ہوتے ہیں لیکن صدّیق سے کم درجے کے ہوتے ہیں اور علم میں بھی اس سے کم درجے کے ہوتے ہیں، لیکن وہ جس چیز کو حق سمجھتے ہیں اسے کامیابی سے چلا نہ سکیں اور اس کوشش میں جان تک لڑا دیتے ہیں، وہ ''شھید'' کہلاتے ہیں۔

(د) صالحین (یہ ''صالح'' کی جمع ہے): جو لوگ علم و عمل میں نچلے درجے کے ہوتے ہیں لیکن صدّیقوں اور شہیدوں کے ساتھ مل کر کام کر سکتے ہیں اور عمر بھر امرِ حق میں کوشش کرتے رہتے ہیں، وہ ''صالح'' کہلاتے ہیں۔

ایک ترقی کُن سوسائٹی میں اِن چار طاقتوں کے علاوہ اور کیا چاہیے؟ ایسی سوسائٹی میں ''نبی'' بطور معلّم کام کرتا ہے۔ وہ ''صدیق'' اور ''شھید'' پیدا کرتا ہے اور ''صالحین'' کو جمع کرتا ہے۔

یہ فیصلہ کر لینے کے بعد کہ ہم صراطِ مستقیم پر چلیں گے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ ہمیں ایسی سوسائٹی دے، جس میں مذکورہ بالا چاروں قسم کے انعام یافتہ لوگ ہوں۔ اس سے ہماری یہی مراد ہے کہ ہم خاتم الانبیا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی پیدا کردہ سوسائٹی کے نمونے پر ایسی سوسائٹی پیدا کرنا چاہتے ہیں:

(الف) جس میں نبی اپنی زندہ تعلیم کے ساتھ تو موجود ہی ہے۔

(ب) اس میں صدّیق ہوں، جن کی فطرت کے مطابق قرآن حکیم کی تعلیم ہے۔ وہ اس تعلیم کو پوری طرح سے سمجھتے ہیں اور اس پر اپنا جان و مال قربان کر سکتے ہیں۔

(ج) جس میں شہید ہوں جو قرآن حکیم کے پروگرام کو چھوڑنا برداشت نہ کریں۔ خواہ انہیں جان (ہی کیوں نہ) دینی پڑے۔

(د) جس میں صالحین ہوں جن کی ہر ایک کام کرنے والے کو ضرورت ہوتی ہے۔

اس طرح ایک ترقی یافتہ سوسائٹی کی تشکیل کے لیے یہ چار جماعتیں اپنے مجموعی فکر و عمل کو کام میں لا کر انسانیت کی بہتری کے لیے کردار ادا کرتی ہیں۔

مخلوق کے ساتھ مہربانی

تشریح: حضرت مولانا خواجہ عبدالحیٔ فاروقی رحمۃ اللہ علیہ

عن أنسؓ و عن عبداللّٰہؓ (ابن مسعود) قالا: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: الخلق عیال اللّٰہ، فأحب الخلق إلی اللّٰہ من أحسن إلی عیالہ.''

ترجمہ: ''حضرت عبداللہ اور حضرت انس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مخلوق اللہ کا کنبہ ہے۔ پس اللہ کو سب سے زیادہ وہ شخص پسند ہے، جو اس کے کنبے کے ساتھ نیکی کرتا ہے۔'' (مشکوٰۃ شریف، کتاب الآداب، باب الشفقت علی الخلق، الفصل الثالث)

گھر کے وہ افراد، جن کی پرورش، نگرانی، دیکھ بھال، صاحبِ خانہ کے ذمے ہو، اس کے ''عیال'' اور کنبہ کہلاتے ہیں۔ خواہ وہ بچے ہوں، خواہ بڑے، سب اس کے عیال ہیں۔ یہ بھی سب جانتے ہیں کہ وہی شخص سب سے زیادہ عزیز اور مشفق ہوتا ہے، جو بچوں کے ساتھ شفقت اور مہربانی کے ساتھ پیش آئے۔ اسی حقیقت کو سامنے رکھ کر اس حدیث میں بتلایا گیا ہے کہ جو اللہ کا پسندیدہ بننا چاہے، اس پر لازم ہے کہ مخلوقِ خدا کے ساتھ حسنِ سلوک کرے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو ازراہِ لطف و کرام اپنی ''عیال'' کے لفظ سے تعبیر فرمایا ہے۔

حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جو کوئی اللہ کی مخلوق کے ساتھ شفقت کرے گا، وہی اللہ کو سب سے زیادہ پسند ہوگا۔ ساری مخلوق کو اللہ نے پیدا کیا ہے۔ اور وہی سب کی پرورش اور دیکھ بھال کرتا ہے۔ اس لیے ساری مخلوق گویا اللہ کی عیال اور کنبہ ہوئی۔ اللہ تعالیٰ تو اس سے پاک ہے کہ اس کا کوئی رشتہ دار یا ناتے دار ہو۔ وہ ان علائق سے بلند و بالا ہے۔ اس کے بارے میں ان رشتوں کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا ہے۔ لیکن وہ اپنی مخلوق پر اس سے بڑھ کر شفقت کی نگاہ رکھتا ہے، جتنی ایک انسان اپنے عیال و اطفال پر رکھتا ہے۔ اس کی مخلوق میں جان دار بے جان، فرماں بردار نافرمان، اچھے، بُرے، چھوٹے، بڑے، کالے، گورے بھی شامل ہیں۔ اور وہ سب کی پرورش کرتا ہے۔ اس لیے جو شخص اللہ تعالیٰ کی پیروی میں اس کی مخلوق کے ساتھ اچھا برتاؤ کرے، وہ اسے ایسا ہی پسند کرے گا، جیسے ہر اُس صاحبِ خانہ کو پسند کرتا ہے، جو اس کے بچوں کے ساتھ شفقت اور مہربانی سے پیش آئے۔ دنیا میں ہر شخص کو ہر جان دار کے ساتھ اسی شفقت اور مہربانی کے ساتھ پیش آنا چاہیے۔ ایسا نہ ہو کہ تعصب، خود غرضی یا خویش پروری اسے اللہ کی مخلوق کے ساتھ بے رحمی پر آمادہ کرے۔ اور وہ متعصب، خود غرض، خویش پرور یا ظالم کہلائے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کی پرورش کے لیے کائنات کا ایک نظام ترتیب دیا ہے۔ اس کے ذریعے سے ساری مخلوق کے لیے بنیادی وسائل اور رزق کی فراوانی کی جاتی ہے۔ اور ہر ایک اُس سے فیض یاب ہوتا ہے۔ اس حوالے سے اللہ کے محبوب انسان بھی انسانوں کی بہترین اور فلاح و بہبود کے لیے دنیا میں ایک ایسا نظام قائم کرتے ہیں، جو مخلوقِ خدا کی خدمت بغیر کسی تفریق کے کرتا ہے۔ اسی لیے اللہ کے محبوب بندے انبیا علیہم السلام مخلوقِ خدا کی فلاح و بہبود کے لیے قومی اور بین الاقوامی سطح پر انسانیت کے لیے ایک عالمگیر نظام تشکیل دیتے ہیں۔ اور اگر عدل و انصاف کے ایسے نظام کو قائم کرنے میں کوئی فرعونی اور نمرودی طاقت حائل ہو اور ظلم کا نظام قائم کیے ہوئے ہو تو انبیا علیہم السلام اس کے خلاف مزاحمت اور جدوجہد کرتے ہیں۔ اور کمزور انسانوں کو ظلم و ستم کے ماحول سے نکال کر عدل و انصاف کے ایسے نظام کی طرف لاتے ہیں، جو انسانیت کے لیے شفقت، امن، ترقی اور خوش حالی کا ذریعہ بنتا ہے۔ اس حدیث میں گھر کے کنبے کی مثال دے کر اس بات کی نشان دہی کی ہے کہ جیسے گھریلو سطح کا نظام پیار و محبت، امن و امان اور رزق کی فراوانی کا ہونا چاہیے۔ ایسے ہی قومی اور بین الاقوامی سطح کا نظام بھی انسانی مسائل حل کرنے کے حوالے سے انہی اُمور کا حامل ہونا چاہیے۔ اس لیے اللہ کے محبوب انسان وہ ہیں، جو اپنی اجتماعی طاقت و قوت سے انسانیت دوست نظام قائم کرنے کی جدوجہد کریں۔

اداریہ

نظام کی تبدیلی — وقت کا چیلنج

آج ملکِ عزیز پاکستان جس مشکل صورتِ حال سے دوچار ہے، اس کا تقاضا ہے کہ ہم سنجیدگی سے اپنے بنیادی مسائل کو سمجھنے اور انھیں درست خطوط پر حل کرنے کے لیے فکرمند ہوں۔ کسی قوم و ملک کے اجتماعی مسائل حل کرنے کے لیے 63 سال کا دورانیہ اپنے اندر بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ پڑوسی ممالک اس عرصے میں اپنے بڑے اجتماعی اور قومی مسائل حل کرنے میں کافی حد تک کام یاب ہو چکے ہیں۔ لیکن ہم ہیں کہ قومی اور اجتماعی سطح پر مشکلات میں گھرے ہوئے اور مسائل کی گرداب میں غلطاں و پیچاں ہیں۔

اس وقت صورتِ حال یہ ہے کہ معاشی اور اقتصادی حوالے سے ہم دیوالیہ ہونے کے قریب ہیں۔ معاشی حوالے سے ہماری ڈائریکشن ٹھیک نہیں ہے۔ سرمایہ پرستی کی لعنت نے ہمیں چاروں طرف سے گھیر رکھا ہے۔ کرپشن، لوٹ مار اور معاشی ناانصافی ہمارے قومی وجود میں سرطان کی صورت اختیار کر چکی ہے۔ طبقاتی معاشی نظام کا ظالمانہ شکنجہ ہمارے چاروں طرف کسا ہوا ہے۔ مال دار، سرمایہ دار، جاگیردار، منصب دار لٹیروں نے ہماری زندگی اجیرن کر دی ہے۔ ان کا طبقاتی تسلط اور ظلم و ستم اس خطے کے مزدور، کسان اور پسے ہوئے لوگوں کو تباہ حال زندگی بسر کرنے پر مجبور کر رہا ہے۔ اس پر مستزاد یہ ہے کہ بین الاقوامی سرمایہ دار ممالک کا عالمی شاطرانہ نظام ہمیں اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کے بجائے معاشی عدمِ استحکام پیدا کرنے کا باعث بن رہا ہے۔ IMF اور ورلڈ بینک جیسے عالمی ادارے ہماری معاشی تباہی کا باعث بن رہے ہیں۔ نیز حالیہ سیلاب نے ہماری معاشی کمر توڑ کر رکھ دی ہے۔ یوں اس وقت معاشی بحران کی کیفیت ہے۔

اس قدر بھیانک معاشی صورتِ حال کے ساتھ المیہ ہے کہ ایک ایسی نااہل قیادت ہم پر مسلط ہے، جو اپنی ناک سے آگے دیکھنے کی صلاحیت سے محروم ہے۔ ایسے لوگ قیادت کے منصب پر فائز ہیں، جو اس لفظ کی توہین ہیں۔ یہ لوگ سیاست اور نظم و نسق کے نام پر تہمت ہیں۔ سیاسیات کے آداب و اَخلاق سے عاری ہیں۔ اصل میں مخصوص جاگیردارانہ، سرمایہ دارانہ پس منظر سے تعلق رکھنے کی وجہ سے یہ لوگ عوامی وژن سے خالی ہیں۔ ان کے سامنے اجتماعی قومی مسائل حل کرنے کے حوالے سے کوئی مشن نہیں ہے۔ ذاتی مفادات پورا کرنا ان کا مقصدِ زندگی ہے۔ سیاسی عدمِ استحکام اور انتظامیہ کی بدعنوانی نے ملک کی جڑوں کو کھوکھلا کر کے رکھ دیا ہے۔ ملک کا سیاسی نظام جماعتوں کے بجائے مخصوص خاندانوں نے یرغمال بنایا ہوا ہے۔ سیاسی جماعتوں کی داخلی حالت سیاسی قوت اور عزم سے محروم ہے۔ اور سیاسی آداب سے ناآشنا ہے۔ سرمایہ دار معاشروں میں ایسی ہی تباہ کُن حالت ہوا کرتی ہے۔

یہی صورتِ حال ہماری سوچ، فکر اور نظریے کے حوالے سے ہے۔ ہم بے سمتی کا شکار ہیں۔ ہمارے سامنے کوئی نظریہ نہیں ہے۔ نظریۂ پاکستان کے نام پر جن لفظوں کی جگالی کی جاتی ہے، ان کا حقائق سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ اسلام کا نام محض اپنی مذہبی اور سیاسی دوکان داری چلانے کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ آج حالت یہ ہے کہ ہم پر روایتی اور مسخ شدہ مذہب مسلط ہے۔ اس کی سب سے بڑی علامت بداَمنی، انتہاپسندی اور دہشت گردی کی سوچ کا پروان چڑھنا ہے۔ ہمارے رویے اور اَخلاق درست نہیں رہے۔ مذہب محض رسم بن چکا ہے۔ اس کی اصل روح خداپرستی اور انسان دوستی ہمارے سامنے نہیں رہی۔ اللہ سے سچا تعلق ختم ہو کے رہ گیا ہے۔ انسانوں کی خدمت کا جذبہ مفقود ہے۔ سیاست اور معیشت کے کاموں کو عبادت سمجھ کر کرنا کب سے چھوٹ چکا ہے۔ دین اسلام کی انقلابی تعلیمات پر عمل درآمد کرنے میں ہم کوتاہی برت رہے ہیں۔ اس حوالے سے خطرناک حد تک غفلت مسلسل زوال کا سبب بن رہی ہے۔

ان حالات میں اس دور کا سب سے بڑا چیلنج یہ ہے کہ ایسے فرسودہ اور ناکارہ نظام کو تبدیل کیا جائے۔ یہ ایک ایسا نظام ہے، جو ہمیں دیمک کی طرح چاٹ رہا ہے۔ معاشی ابتری، سیاسی عدمِ استحکام اور نظریاتی و فکری بحران نے موجودہ نظام کو ایک لعنت بنا کر رکھ دیا ہے۔ شعور کی بنیاد پر اس کی تبدیلی ہمارے دروازے پر دستک دے رہی ہے۔ آج نظام کی تبدیلی کی یہ آواز ہر سمت سے ہمیں پکار رہی ہے۔ اسے سننے اور سمجھنے کی ضرورت ہے۔ وقت کے اس چیلنج کو قبول کرنا اور آگے بڑھ کر شعوری بنیادوں پر جد و جہد کرنا، دین اسلام کی تعلیمات کا تقاضا بھی ہے۔ اور قومی بقا کا سوال بھی ہے۔ زندہ قومیں اپنے گرد و پیش کے چیلنجز کو قبول کر کے آگے بڑھتی ہیں۔ اور کام یابی کی منازل طے کرتی ہیں۔ فتح و کام یابی عقل و شعور سے صحیح سمت چلنے والے نوجوانوں کی ہوا کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں عقل سلیم، شعورِ دین اور بصیرت جاودانی عطا کرے۔

مدیر اعلیٰ

دین حق کے غلبے کی جد و جہد اور ہماری ذمہ داریاں

خطاب حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوری دامت برکاتہم العالیہ

(مؤرخہ: 24 فروری، 2010ء، بروز بدھ کو ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ (ٹرسٹ) کے ریجنل کیمپس کراچی کا افتتاح ہوا۔ اس حوالے سے عشا کی نماز کے بعد افتتاحی تقریب کا انعقاد ہوا۔ اس موقع پر ادارہ کے بانی و سرپرستِ اعلیٰ حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوری دامت برکاتہم العالیہ نے مفصل خطاب فرمایا۔ جو قارئین ''رحیمیہ'' کے لیے ذیل میں پیش کیا جا رہا ہے)

الحمد للّٰہ و کفٰی وسلام علٰی عبادہ الذین اصطفٰی. اما بعد: فأعوذ باللّٰہ من الشیطان الرجیم. بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم: هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ۝ (28:48) اِسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطٰنُ فَاَنْسٰىهُمْ ذِكْرَ اللّٰهِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ حِزْبُ الشَّيْطٰنِ ۭ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ الشَّيْطٰنِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَاۗدُّوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗٓ اُولٰۗىِٕكَ فِي الْاَذَلِّيْنَ ۝ كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ ۝ (21-19:58) **صدق اللّٰہ العظیم۔**

خطبہ مسنونہ کے بعد فرمایا: جب بھی ہم انبیا علیہم السلام کی سیرت کا مطالعہ کرتے ہیں تو ان کے یہ حالات ہمارے سامنے آتے ہیں کہ اس وقت کا مذہبی ماحول اور مذہبی طبقہ انبیا علیہم السلام کے پروگرام کی مخالفت کرتا ہے۔ اس وقت کے جو مذہبی مراکز ہوتے ہیں، وہ مسجد کی صورت میں ہو (جیسے مسجدِ حرام) یا مدرسے کی صورت میں ہو یا خانقاہ کی صورت میں ہو، ایسے مذہبی مراکز انبیاؑ کو قبول نہیں کرتے، بلکہ ان کی مخالفت کرتے ہیں۔ وجہ یہ ہوتی ہے کہ نظام کے زیرِ اثر آ کر مذہب کا کردار بے روح ہو جاتا ہے، بلکہ مذہب ظالموں کا آلہ کار بن جاتا ہے۔ اس لیے ہمیشہ علمائے ربانیین میں سے جو بھی اس حق کی تحریک اُٹھائے گا تو ان کے ساتھ بھی یہی معاملہ ہوگا۔ اب آپ کو معلوم ہے کہ حضورؐ کی جب بعثت ہوئی تو آپؐ کی مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ اپنا خاندان اور دوسرے تمام لوگ آپ کو بہت عقیدت اور عظمت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ اور ہر طرف آپ کی تعریف ہی تعریف ہوتی تھی۔ اور جب اللہ تعالیٰ کے منشا کے مطابق آپؐ نے اپنا پروگرام شروع کیا تو خاندان اور برادری کے لوگ سب کے سب آپؐ کے دشمن ہو گئے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے گھر میں اس کے پیارے حبیب کا داخلہ بھی بند کر دیا۔ اور آپؐ کے خلاف شدید پروپیگنڈا شروع کر دیا۔ نوجوانوں کو مشتعل کیا۔ ان کو اُکسایا۔ ان نوجوانوں سے آپؐ پر طائف وغیرہ میں حملے بھی کرائے۔ مکہ مکرمہ میں بھی آپؐ کا استہزا اور مذاق کیا۔ لیکن ان ساری مشکلات کے باوجود اللہ تعالیٰ نے آپؐ سے جو کام لینا تھا، اس کی بنیاد پھیلتی چلی گئی۔

آج یہ بات سوچنے کی ہے کہ مساجد و مدارس موجود ہیں، لیکن ان میں حضرت الامام شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ دہلوی کی اس تحریک کی مخالفت ہے۔ اور اس کو قبول نہیں کیا جاتا ہے۔ حال آں کہ یہ تحریک انبیا علیہم السلام والا عمل ہے۔ ایسے حالات میں اس تحریک سے وابستگی ہمارے لیے بڑے فخر کی بات ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ حق کی دعوت اس وقت کے مروجہ اداروں سے نہیں پھیلتی۔ بلکہ وہ گھروں سے ہوتی ہے (جیسے دارِ ارقم)۔ دفتر بنا کر ہوتی ہے۔ مروجہ نظام کے ماتحت مساجد کی اجتماعیت اس دعوت کو قبول نہیں کرتی۔ نظام سے وابستہ مدارس کا نظریہ ان کو قبول نہیں کرتا۔ ہمیں یہ سوچنا ہوگا کہ آج مساجد و مدارس میں ہمارے اس نظریے کو پیش کرنے کا ماحول کیوں نہیں ہے۔ اس سے ہمارے اندر مایوسی نہیں آنی چاہیے۔ انبیاؑ اور ان کے جانشین، جو دینی محنت کرتے ہیں، وہ مسجد یا اداروں کی محتاج نہیں ہوتی، کیوں کہ نظامِ ظلم میں ایسے ادارے بے روح ہو جاتے ہیں۔ اور نظام کے ماتحت ہو کر کردار ادا کرتے ہیں۔ اور نظام کے آلہ کار بن جاتے ہیں۔ الحمد للہ! ہم جن بزرگوں کے راستے پر چلنا چاہتے ہیں اور جن حضرات آئمہ کرام کی اتباع کرنا چاہتے ہیں، ان کے ساتھ بھی وہی معاملہ ہے، جو انبیا اور مصلحین کے ساتھ ہوتا چلا آ رہا ہے۔

بقیہ صفحہ 6

صحابہ کرامؓ کے انقلابی کردار کو اپنانے کی ضرورت

شیخ التفسیر والحدیث حضرت مولانا مفتی عبدالخالق آزاد صاحب

(مؤرخہ 22 جنوری 2010ء بمقام ادارہ رحیمیہ علوم قرآنیہ، لاہور)   ضبط وتحریر: مولانا محمد جمیل

نحمدهٗ ونصلی علی رسوله الکریم، امّا بعد: قال اللّٰه تعالیٰ: لَا تَجِدُ قَوْمًا یُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ یُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِیْرَتَهُمْ ؕ اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِیْ قُلُوْبِهِمُ الْاِیْمَانَ وَاَیَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ ؕ (58:22) **صدق اللّٰه العظیم**

معزز دوستو! دین اسلام میں سب سے پہلی انقلابی جماعت صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ہے۔ صحابہ کرامؓ کی وہ عظیم الشان اجتماعیت ہے، جس نے انسانی معاشروں کی تشکیل میں ایسا بنیادی کردار ادا کیا ہے، جو کہ قیامت تک آنے والے انسانوں کے لیے منارۂ نور ہے۔ ہر دور کی انسانیت جب بھی اپنے معاشروں کے لیے جدوجہد اور کوشش کرے گی، تو ان کے سامنے حضورؐ کی تربیت یافتہ جماعت صحابہ کرامؓ ایک نمونے اور اسوۂ حسنہ کی حیثیت رکھے گی۔ اس جماعت کی تربیت کے خطوط کیا تھے؟ اس کو سمجھ کر اپنے اندر اس کے مطابق رویے پیدا کرنا آج کے دور کی سب سے بڑی ضرورت ہے۔

آج کے دور میں جب کہ انسانی معاشرہ گوناگوں مسائل کا شکار ہے۔ غربت وافلاس کی پستی میں مبتلا ہے۔ اور بدامنی کے ماحول میں زندگی بسر کر رہا ہے۔ جب کہ آج کے انسانی معاشرے مجموعی طور پر فکری زوال کا شکار ہیں۔ سیاسی قوت سے محروم ہیں۔ اقتصادی انصاف اور خوش حالی سے محروم ہیں۔ ایسے دور میں انسانیت کے سامنے حضورؐ کی تیار کردہ جماعت صحابہ کرامؓ کی انسانی معاشروں کے لیے کی جانے والی جدوجہد ہمارے لیے ایک بہترین مثال کی حیثیت رکھتی ہے۔ صحابہ کرامؓ کی جدوجہد کو قرآن حکیم کے تناظر میں سمجھنا اور جن رویوں کی نشان دہی صحابہ کرامؓ کی عملی جدوجہد سے ہوتی ہے۔ ان کو سمجھنا اور ان کا شعور حاصل کرنا، یہ آج کے دور کی بنیادی ضرورت ہے۔ اس سلسلے میں جب ہم صحابہ کرامؓ کی جدوجہد کا جائزہ لیتے ہیں تو بنیادی طور پر ان کا ایک ایسا واضح کردار سامنے آتا ہے۔ جس کے ذریعے سے اس جماعت نے انسانی معاشروں میں محض اصلاح کا کام کرنے کے بجائے انقلاب کا عمل اختیار فرمایا۔ کیوں کہ محض اصلاحی عمل ان معاشروں میں ہوا کرتا ہے، جہاں بنیادی طور پر نظام درست ہو۔ عدل وانصاف کے اصولوں پر قائم ہو۔ اور اس میں جزوی طور پر خامیاں اور کمزوریاں پائی جاتی ہوں تو وہاں اصلاح کا عمل اختیار کیا جاتا ہے۔ اور انقلابی عمل ان معاشروں میں اختیار کیا جاتا ہے، جہاں نظام میں بنیادی خرابی موجود ہو۔ اور انسانوں کے مسائل حل کرنے کا طریقۂ کار درست خطوط پر قائم نہ ہو۔ ''اصلاحی عمل'' اور ''انقلابی عمل'' دونوں دراصل انسانی معاشروں کی تشکیل کی بنیادی اصطلاحات ہیں۔ اور ان اصطلاحات کا صحیح مفہوم اس حقیقت کی نشان دہی کرتا ہے کہ اصلاح کے عمل سے نظام کی خرابیاں اور کمزوریاں دور کی جاتی ہیں۔ جب کہ انقلابی عمل میں تو پُرانے اور فرسودہ نظام کو جڑ سے اُکھیڑ کر ایک نیا نظام تشکیل دینے کی کوشش کی جاتی ہے۔

اس تناظر میں جب ہم صحابہ کرامؓ کے طرزِ عمل کو دیکھتے ہیں تو ان کی جدوجہد کا بنیادی رُخ انقلابی تھا۔ ابوجہل، عتبہ اور شیبہ جیسے ظالم اور کافر حکمرانوں کا نظام تبدیل کیا گیا۔ تو گویا کہ اس وقت کے معاشرے میں موجود نظام کی مکمل تبدیلی صحابہ کرامؓ کے پیش نظر تھی۔ مکہ مکرمہ کے اس ظالمانہ نظام میں صحابہ کرامؓ نے صرف اصلاحی عمل کیا ہو، ایسی بات نہیں ہے۔ کیوں کہ صحابہ کرامؓ کی جدوجہد کا بنیادی رُخ انقلاب برپا کرنا تھا۔ انسانی تاریخ سے اس بات کو خارج نہیں کیا جاسکتا کہ ساتویں صدی عیسوی میں حضورؐ اور آپؐ کی تربیت یافتہ جماعت نے ایک انقلاب برپا کیا۔ ان حضرات صحابہ کرامؓ کی انقلابی جدوجہد کے نتیجے میں مکہ مکرمہ اور پورے جزیرۃ العرب میں ہی نہیں، بلکہ دنیا بھر کے تمام ممالک میں نظام کی مکمل تبدیلی ہوئی۔ اور پُرانا فرسودہ نظام صحابہ کرامؓ کی جدوجہد سے ختم ہوا۔ پرانی سیاست، پرانی معیشت اور پرانی تہذیب وکلچر بدل دیا۔ عدالتی نظام میں تبدیلی پیدا کردی۔ عبادات کا طریقہ اور نظام مکمل طور پر بدل دیا گیا۔ صحابہ کرامؓ کی انقلابی جدوجہد کا آخری نتیجہ یہ ظاہر ہوتا ہے کہ دین اسلام کے غلبے کا عالمی نظام قائم ہوگیا۔ گویا کہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ حضورؐ کی اس انقلابی جماعت نے انسانی معاشرے میں ایسی بنیادی تبدیلی پیدا کی کہ جو تمام مظلوم انسانیت کے حق میں تھی۔ انسانیت کے مسائل حل کرنے والی تھی۔ اور اس معاشرے کے جتنے ظالم، بدعنوان اور انسان دشمن اللہ سے تعلق کو توڑنے والے تھے، ان کا ظالمانہ نظام صحابہ کرامؓ کی اس جماعت نے ختم کردیا۔ جب یہ طے ہوگیا کہ صحابہ کرامؓ کی اس جماعت نے مکمل تبدیلی کا عمل کیا ہے تو اب اس کی روشنی میں اس بات کو معلوم کرنے کی بڑی ضرورت ہے کہ وہ کون سے اقدامات اور اَخلاق واَفکار تھے، جنھوں نے صحابہ کرامؓ کے لیے اس انقلابی عمل کے لیے راستہ ہموار کیا۔ صرف یہ اعلان کردینا کہ صحابہ کرامؓ کی جماعت نے انقلابی عمل کیا ہے۔ اور اس انقلابی عمل کی اساسیات کا علم نہ ہو۔ اور ان جیسے اَخلاق اور رویوں کو اپنے اندر پیدا نہ کیا جائے تو یہ بڑی رسمی اور سطحی بات ہے۔ اپنے بڑوں کے بارے میں یہ کہنا کہ وہ بڑے انقلابی تھے۔ اور انھوں نے نظام قائم کیے۔ اور خود ان کی اتباع نہ کی جائے تو یہ ''پدرم سلطان بود'' (میرا باپ بادشاہ تھا) والی بات ہے۔ سوال یہ ہے کہ آپ کیا ہیں؟ آپ میں کیا صلاحیت اور مہارت ہے؟ آپ کے سامنے ان کے بتائے ہوئے راستے کے کون سے خطوط متعین ہیں؟

صحابہ کرامؓ کی جدوجہد کا مقصد تو اس دور کے مستضعفین یعنی مزدور، کسان اور پسے ہوئے طبقات کے حق میں تھا۔ آج انسان اپنی محنت کا استحصال ہوتے دیکھ رہا ہے۔ کسان اپنے بنیادی حقوق سے محروم ہے۔ عام انسان اپنی انسانی ضروریات سے محروم ہے۔ اور عالمی سرمایہ داری نظام انسانیت کے بنیادی حقوق پر ڈاکہ ڈال رہا ہے۔ سرمائے کا جبر ملکوں اور قوموں پر مسلط ہو کر ان کی آزادی سلب کر رہا ہے۔ تو ایسے ماحول میں ضرورت تو اس امر کی ہے کہ صحابہ کرامؓ کے انقلابی کردار کو سمجھا جائے، جس کو قرآن حکیم نے دوٹوک انداز میں بیان کیا ہے۔ قرآن حکیم میں احکام الٰہیہ پر مشتمل آیات بہت تھوڑی ہیں۔ فقہا نے 500 کے قریب آیات بیان کی ہیں۔ تو باقی آیات کا مطمحِ نظر کیا ہے؟ وہ کن خطوط پر انسانیت کی رہنمائی کرتی ہیں؟ وہ دراصل ان احکامات پر عمل کرنے کی حکمتِ عملی، طریقۂ کار اور انقلابی سیرت وکردار کی نشان دہی کرتی ہیں۔ حکم اور قانون ہمیشہ مختصر ہوتا ہے۔ لیکن اس پر عمل کرنے کی حکمتِ عملی اور طریقۂ کار ہمیشہ اپنے اندر وسعت رکھتا ہے۔ قرآن حکیم نے احکام تو بڑے مختصر انداز میں بیان کردیے ہیں، لیکن ان پر عمل کرنے کی انقلابی حکمتِ عملی بڑی تفصیل سے بیان کی ہے۔

قرآن حکیم دراصل ایک ایسی جماعت تیار کرتا ہے، جو کہ اپنے اہداف کے حصول کے لیے یکسو ہوتی ہے۔ اور ایسے رویے اختیار کرتی ہے، جو کہ تنظیمی عمل کے لیے ناگزیر حیثیت رکھتے ہیں۔ ضروری اور بنیادی تقاضوں کو پورے کرتے ہیں۔ قرآن حکیم کا اکثر حصہ ہمارے اَخلاق، تنظیمی کردار اور اجتماعی رویوں سے گفتگو کرتا ہے۔ اس کے لیے قرآن حکیم نے حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک اہم ترین واقعات بیان کیے ہیں۔ اور انبیا علیہم السلام کی جدوجہد کے نتائج کی نشان دہی کی ہے۔ اور ان کے مقابلے میں فرعونی اور نمرودی نظام، ابوجہل کے نظام اور ان کے اجتماعی رویے، ان کی بداَخلاقیاں اور ظلم کرنے کے طریقوں کو قرآن حکیم نے واقعات کے ضمن میں بیان کیا ہے۔ اور پھر عالمی سطح پر تبدیلی لانے کے لیے صحابہ کرامؓ کی عظیم الشان جماعت نے جو کردار ادا کیا ہے، اس کی نشان دہی کی ہے۔ اس طرح قرآن حکیم نے صحابہ کرامؓ کی جدوجہد اور کوشش کو انسانیت کے سامنے رکھا ہے۔ غزوۂ بدر ہو یا اُحد، یا اس کے علاوہ دیگر غزوات، جن میں خود حضورؐ نے شرکت فرمائی یا صحابہ کرامؓ کو اس کے لیے بھیجا، اس جدوجہد کو قرآن حکیم نے موضوعِ بحث بنایا ہے۔

یہ آیت جو خطبے میں تلاوت کی گئی ہے، اس میں صحابہ کرامؓ کی بنیادی خصوصیات بیان کی گئی ہیں۔ قرآن حکیم کہتا ہے کہ یہ جماعت وہ ہے، جس کا اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان ہے۔ اور اس کا اُس

انسان دشمن جماعت سے کوئی تعلق نہیں، جو کہ اللہ اور اس کے رسول کے پروگرام کی مخالف ہے۔ نظریے پر پختگی اور جماؤ کا عالم یہ ہے کہ عدل وانصاف کے قیام کے راستے میں رُکاوٹ بننے والے لوگ خواہ ان کے باپ ہوں، بھائی ہوں، اور اپنے قبیلے کے لوگ ہی کیوں نہ ہوں، اپنی نسل اور زبان بولنے والے کیوں نہ ہوں، لیکن چوں کہ وہ سامراجی اور طاغوتی کردار ادا کرتے ہیں، اس لیے یہ جماعت ایسے تمام لوگوں سے اپنے تعلقات ختم کر لیتی ہے۔ اور اس کے مقابلے میں آجاتی ہے۔ گویا کہ ظلم اور بدعنوانی سے نفرت اور فسق و فجور سے نفرت کرتے ہیں۔ قرآن حکیم نے صحابہ کرامؓ کی خصوصیت بیان کرتے ہوئے دوسری جگہ ارشاد فرمایا ہے: كَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ ط (7:49) کہ صحابہ کرامؓ انسانی معاشروں میں ظلم و کفر اور فسق و فجور کے نظام سے مزاحمت، نفرت رکھتے ہیں۔ گویا کہ مسلمان ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ سے تعلق قائم کرنے کے بعد معاشرے میں موجود کفر اور ظلم پر مبنی نظام کے خلاف مزاحمت اختیار کرنا ایمان کا لازمی تقاضا ہے۔ ایسی مزاحمت، جو کہ عقل و شعور اور فہم و بصیرت پر مبنی ہو۔ تشدد پسندی اور منفی نوعیت اختیار کرنے والی مزاحمت کی بات قرآن حکیم نے نہیں کی۔

قرآن حکیم نے اس بات کو واضح کیا کہ صحابہ کرامؓ کی وہ جماعت حنیفیت یعنی مکمل یکسوئی کے ساتھ اپنے ہدف کو سامنے رکھ کر جدوجہد کرتی ہے۔ اور ہدف کے حصول میں جو طاقت بھی رُکاوٹ پیدا کرے تو وہ جماعت اس کا مقابلہ کرنے کے لیے میدانِ عمل میں آجاتی ہے۔ اس ظالمانہ طاقت سے مرعوب ہو کر اس کا حصہ نہیں بنتی۔ یہ نظریاتی پختگی، وابستگی اور عملی مہارتیں ان کے اندر یہ صلاحیت و قوت پیدا کرتی ہے کہ وہ جماعت اپنے نظریات پر کسی قسم کا کمپرومائز کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتی۔ اسی لیے سامراجی طاقتیں نظریے سے انحراف پیدا کرنے کے لیے مختلف حربے استعمال کرتی ہیں۔ اس میں بہت زیادہ مکر و فریب اور دھوکہ دہی سے کام لیتی ہیں۔ سامراجی قوتوں کا ہمیشہ سے یہ طریقۂ کار رہا ہے کہ وہ سادہ لوح لوگوں کو اپنے مقاصد کے لیے استعمال کرتی ہیں۔ بلکہ اگر اس دور کا تجزیہ کیا جائے تو اس دور کا اسب سے بڑا اَلمیہ یہ ہے کہ سامراجی اور طاغوتی قوتوں نے مذہب کو اپنے مقاصد کے لیے آلۂ کار بنایا ہوا ہے۔ وہ مذہب، جو کہ مستضعفین یعنی مزدوروں اور کسانوں کا حامی تھا۔ وہ مذہب، جو کہ مظلوموں کی حمایت کرتا تھا۔ وہ مذہب، جو کہ دین کا عالمی نظام قائم کرنے کی صلاحیت واستعداد رکھتا تھا۔ آج اسی مذہب کو سامراج نے اپنے مقاصد کے حصول کے لیے آلۂ کار بنالیا ہے۔ مولانا ابوالکلام آزادؒ فرماتے ہیں کہ پچھلی ڈیڑھ سو سال کی تاریخ ہمارے سامنے ہے کہ سامراج کو جب بھی اس خطے میں کوئی کام کرانا ہوتا ہے تو وہ مذہب کے نام پر تحریک چلاتا ہے۔ یہ بڑی تلخ حقیقت ہے۔ لیکن حقیقت یہی ہے کہ رجعت پسند مذہبی طبقات، قرآن، اسلام اور انسانیت کا صرف نام لیتے ہیں۔ اور کام سامراج کے مفادات کے لیے کرتے ہیں۔ اور یہ بات اس حقیقت سے واضح ہوتی ہے کہ اس وقت اٹھاون مسلمان ممالک کے حکمران طبقات اسلام کا نام لے کر عالمی سامراجی نظام کے لیے آلۂ کاری کا کردار ادا کر رہے ہیں۔

آج مسلمان ملکوں میں سرمایہ داری موجود ہے۔ سرمائے کا جبر ہے۔ وہاں کے حکمران، علما اور دانشور، وہ اسی سرمایہ داری نظام کے اردگرد گھومتے رہیں تو اس سے بڑا المیہ کیا ہوگا۔ حال آں کہ صحابہ کرامؓ کی اجتماعیت اپنے دور کے سرمایہ داروں کی مزاحمت کرتی ہے۔ قرآن حکیم نے واضح طور پر اعلان کیا کہ تمھیں کثرتِ مال نے غفلت میں مبتلا کر دیا۔ قرآن حکیم نے ایک دوسری جگہ پر ارشاد فرمایا کہ: لَوْلَا يَنْهٰهُمُ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ ط (63:5) ان بڑے بڑے علما، پیر اور گدی نشینوں نے حرام خور اور ظالم لوگوں کو ظلم کی بات کہنے اور حرام خوری سے کیوں نہیں روکا۔ جو کہ لوگوں کا مال باطل طریقے سے کھاتے ہیں اور انسانیت دشمنی کا کردار ادا کرتے ہیں اور ان لوگوں کی حمایت کرتے ہیں، جو کہ انسانی معاشرے میں ظلم و ستم کے نمائندے ہیں۔

کتنا بڑا اَلمیہ ہے کہ جس ملک کی سیاست، عدالت اور معیشت کے نمائندے آئینی جنگ کے نام پر باہمی لڑائی اور دنگا فساد میں مبتلا ہوں اور پورا ملک غربت و افلاس کے عالم میں زندگی بسر کر رہا ہو۔ تنگ دستی کا عفریت ان پر مسلط ہو۔ بنیادی اقتصادیات تباہ ہو چکی ہوں۔ اور حکمران طبقات کو اپنی خرمستیاں سوجھی ہوئی ہیں۔ کہ ایک طبقہ ایک طریقے سے آئین توڑتا ہے۔ اور دوسرا طبقہ انصاف کے نام پر دوسرے طریقے سے آئین توڑتا ہے۔ انھوں نے سیاست کو کھیل تماشا بنا رکھا ہے۔ ایسے حالات میں ان سرمایہ پرست طبقات کے خلاف آواز بلند کرنا، اس دور کا بنیادی تقاضا ہے۔ اور انسانیت کے مسائل کو حل کرنے کے لیے صحابہ کرامؓ جیسے کردار کی ضرورت ہے۔ لیکن یہاں عجیب صورتِ حال ہے کہ ایک طرف مسائل کو حل کرنے کے نام پر مسلط ہونے والے نمائندے، انسانیت دشمنی کا کردار ادا کرتے ہیں۔ انسانیت کے حقوق سلب کرتے ہیں۔ اور دوسری طرف مذہب کے روایتی نمائندے ہیں کہ مسجد اور مدرسے میں بیٹھ کر چند عبادات سرانجام دینے اور چند کتابیں رٹانے کے عمل پر مطمئن ہو بیٹھے۔ دنیا میں سامراج، طاغوت اور ظالموں کا نظام اسی طرح مسلط ہو تو ان کے محض وعظ و تبلیغ کیا نتائج پیدا کریں گے! آج سوچنے کی بات ہے کہ انسان تو مسائل کا شکار ہوں۔ اور یہاں کے حکمران، علما اور گدی نشینوں کو اپنے مفادات کے علاوہ کوئی چیز نظر نہ آتی ہو۔ ملک و قوم اور انسانیت تباہ و برباد ہو رہی ہو۔

قرآن حکیم نے صحابہ کرامؓ کی بنیادی خصوصیت یہ بیان کی ہے کہ وہ سامراجی نظام کی مزاحمت کے لیے میدان میں آتے ہیں۔ ابوجہل، عتبہ اور شیبہ کے قائم کردہ نظام کے خلاف بغاوت ان کی سب سے بڑی خصوصیت ہے۔ آج کے دور میں صحابہ کرامؓ کے ساتھ رسمی محبت کا اظہار اور پھر ان کے کردار و اَخلاق کو اپنے اندر پیدا کرنے کی جدوجہد نہ کرنا بڑا المیہ ہے۔ آج مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ ان مفاد پرست طبقات سے الگ ہو کر صحابہ کرامؓ کے انقلابی کردار کو سمجھنے اور اپنانے کے لیے جدوجہد کرے۔ اسی طرح محدثین، فقہا اور سچے اولیاء اللہ نے جو عظیم الشان کوشش کی ہے، اس کو سمجھا جائے کہ انھوں نے اپنے دور کے مسائل کو حل کرنے کے لیے کس فکر و عمل کو اختیار کیا تھا۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ ہیں، جو کہ بغداد کے حکمرانوں کو للکارتے ہیں۔ خواجہ معین الدین اجمیری ہندوستان میں بیٹھ کر یہاں کے غلط حکمرانوں کے خلاف جدوجہد کا سبق دیتے ہیں۔ اسی طرح بہت سے صوفیا اور اولیا ہیں، جن کا کردار سامنے آتا ہے۔ امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ، شاہ عبدالعزیز دہلویؒ سے لے کر حضرت نانوتویؒ تک تمام علمائے ربانیین کی جدوجہد کا بنیادی مقصد صحابہ کرامؓ کے اُسوہ کو زندہ کرنا ہے۔ اسی طرح انگریز سامراج کے خلاف آزادی اور حریت کی تحریک چلانے والی شخصیت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ اور شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ ہیں، جنھوں نے اس خطے میں صحابہ کرامؓ کے اُسوہ کو زندہ کیا۔

> **آج ہمیں اپنے فکر اور رویے کو بدلنے کی ضرورت ہے۔ اور صحابہ کرامؓ کے نظریے کے مطابق کام کرنے کی ضرورت ہے۔ تب جا کر انسانیت اس ظلم و ستم کے ماحول اور غلط نظام سے نجات حاصل کر سکتی ہے۔**

آج ضرورت اس بات کی ہے کہ صحابہ کرامؓ، تابعینؒ اور علمائے ربانیینؒ کی اس جدوجہد کو سمجھا جائے کہ جب قومیں غلام بن جائیں اور نظام خراب ہو جائے تو اس وقت اس نظام کی مزاحمت پر مبنی جدوجہد کرنا دراصل اس دور کا سب سے بڑا دینی تقاضا ہوتا ہے۔ آج کے دور میں جو دینی کام انقلاب کے نظریے کے بغیر کیا جاتا ہے، وہ رسم ہے۔ اور درحقیقت اس ظالمانہ نظام کا آلۂ کار ہے۔ آج ہمیں اپنے فکر اور رویے کو بدلنے کی ضرورت ہے۔ اور صحابہ کرامؓ کے نظریے کے مطابق کام کرنے کی ضرورت ہے۔ تب جا کر انسانیت اس ظلم و ستم کے ماحول اور غلط نظام سے نجات حاصل کر سکتی ہے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ اس اُمت کا آخری حصہ اس وقت تک درست نہیں ہو سکتا، جب تک کہ اس طریقۂ کار کے مطابق جدوجہد نہ کی جائے، جو کہ اس امت کے پہلے حصے کو درست کرنے کے لیے صحابہ کرامؓ نے کی تھی۔ نظریے کو زندہ کرنا یہ اس دور کا تقاضا بھی ہے اور دینی ذمہ داری بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں دین اسلام پر مکمل عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

بقیہ خطاب حضرت اقدس رائے پوری دامت برکاتہم العالیہ

حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ تین طبقے میری اُمت کو نقصان پہنچائیں گے: (1) حکمران فاسق و فاجر ہوجائیں۔ (2) اس نظام سے فائدہ حاصل کرنے والے علمائے دنیا پیدا ہوجائیں۔ (3) اور دنیا دار پیر پیدا ہوجائیں۔ ان سے میری اُمت کو بہت بڑا نقصان پہنچے گا۔ جب آپ اہلِ حق کی تاریخ پڑھیں گے تو ان کے ساتھ ایسے ہی ہوتا رہا ہے۔ لیکن الحمدللہ! ہم حق پر قائم رہنے کے لیے کوشاں ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں استقامت اور جماؤ عطا فرمائے۔ شاہ ولی اللہ دہلویؒ سے لے کر حضرت شیخ الہندؒ اور ہمارے مشائخ رائے پور تک یہ ایک عظیم تحریک ہے۔ اس تحریک کی تاریخ بھی بڑی عظیم ہے۔ یہ گزشتہ تقریباً تین سو سال کی جدوجہد ہے۔ ان حضرات نے دین کے غلبے کے نظریے سے آزادی حاصل کی۔ لاکھوں انسانوں کی اس سلسلے میں قربانیاں ہیں۔ اتنی بڑی تاریخ اور قربانیوں کے ہوتے ہوئے آج اسلام کے نام پر پاکستان بنا ہے۔ چاہیے تو یہ تھا کہ علما اسی تسلسل کو زندہ رکھتے۔ حضرت شاہ ولی اللہ، حضرت شاہ عبدالعزیز، حضرت شاہ اسحاق، حضرت سید احمد شہید، حضرت حاجی امداداللہ، حضرت نانوتوی، حضرت گنگوہی، حضرت شیخ الہند، حضرت شاہ عبدالرحیم رائے پوری اور حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمہم اللہ تعالیٰ، یہ ایک جماعتی تسلسل ہے۔ جو اس نظریے پر کام کرتا چلا آرہا ہے۔

اتنی بڑی تاریخ کے ہوتے ہوئے آج اسلام کے نام پر نئی نئی جماعتیں کیسے بن گئیں؟ جن کی کوئی تاریخ نہیں ہے۔ اصل میں نظام ان سے کام لیتا ہے۔ حق کی پہچان بڑی آسانی سے اس نظام کے ذریعے سے ہوجاتی ہے۔ جو سرمایہ داروں اور جاگیرداروں کا ہو۔ اور غلام بنانے والا نظام ہو۔ جو اس نظریے کو پھیلنے نہ دے۔ ان کے لیے مشکلات پیدا کرے۔ وہی دراصل حق کی بات ہوگی۔ حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوریؒ سے رائے پور کے کچھ معززین اور زمین داروں نے پوچھا کہ اگر علما کی دو جماعتیں ہوجائیں، ان میں اختلاف ہوجائے تو ہم کیسے معلوم کریں کہ ان میں سے سچی جماعت کون سی ہے۔ حق والی کون سی ہے۔ تو حضرت نے بڑا مختصر اور آسان جواب دیا کہ: ''جس جماعت کو سرمایہ دار، جاگیردار پسند نہ کریں اور مظلوموں کی نمائندہ جماعت ہو۔ وہ حق والی جماعت ہے۔ اور جس جماعت کو حکمران، سرمایہ دار اور جاگیردار پسند کریں۔ اس کا پروپیگنڈا کریں۔ ان کو پھیلائیں تو وہ ظالموں سے تعاون کرنے والی جماعت ہے۔'' اب یہ قرآن و حدیث سے ماخوذ باتیں ہیں۔ لیکن آج نظام کے ماتحت مسجد اس کو قبول نہیں کرتی۔ آج دیوبند کے نام سے کام کرنے والے، ان بزرگوں کا نام لیتے ہیں، لیکن ان کے مطابق کام نہیں کرتے۔ ہم سب نے سوچنا ہے کہ دیوبند کی بنیاد رکھنے والے حضرت نانوتویؒ ہیں تو آپ نے مدرسے کے اساسی اصولوں میں لکھا ہے کہ اس مدرسے کو عوام کے تعاون سے چلانا ہے۔ کسی سرمایہ پرست پر بھروسہ نہیں کرنا ہے۔ کسی جاگیردار پر بھروسہ نہیں کرنا۔ اگر ان سے وسائل لیں گے تو پھر دین کے سچے نظریے پر کام نہیں کر سکتے۔

الحمدللہ! ہمارے دوستوں نے اسی نظریے کو سامنے رکھ کر اپنے تعاون سے دفتر بنائے۔ 56 میکلوڈ روڈ، لاہور کا دفتر 100 روپے کرائے پر تھا۔ اور بیس سال تک اس چھوٹے سے دفتر سے سارے پاکستان میں کام ہوتا رہا۔ اور جب بنیاد بن گئی تو اسی سے لاہور کا ادارہ وجود میں آگیا۔ الحمدللہ! دوستوں نے اپنے تعاون سے بنایا۔ اب اللہ کا شکر ہے کہ یہ کام بڑھتے بڑھتے دوستوں کے تعاون اور جذبے سے کراچی کا ادارہ بھی قائم ہوگیا۔ اگر کسی سرمایہ دار سے کچھ لیں تو ایک دن میں کروڑوں کی عمارت بن جاتی ہے۔ کروڑوں روپے کی مساجد اور مدارس بن جاتے ہیں، لیکن درست نظریے والے کے لیے اس کی گنجائش نہیں ہے۔ اب الحمدللہ! ان ساری مشکلات سے گزرتے ہوئے سکھر میں بھی اور ملتان میں بھی ادارہ قائم ہوگیا۔ اور آپ دوستوں کا حوصلہ اور بڑھ رہا ہے کہ اپنے باہمی تعاون سے سچے ادارے قائم ہو رہے ہیں۔ تو کسی جماعت کے سچے ہونے کی علامت اس کی مخالفت ہے ؎

بادِ مخالف سے نہ گھبرا اے عقاب! یہ تو چلتی ہے تجھے اونچا اُڑانے کے لیے

الحمدللہ! ہمیں ایک رپورٹ ملی کہ ادارے میں مفتی صاحب جمعہ پڑھاتے ہیں تو وہاں کچھ جاسوس بھی آتے رہتے ہیں۔ اور پوچھتے رہتے ہیں کہ اس جماعت کا نظریہ کیا ہے؟ بھائی یہ کوئی برساتی جماعت تو نہیں ہے کہ ہر چھ ماہ بعد اپنا نظریہ تبدیل کرلے، بلکہ یہ ایک پرانی تاریخ رکھتی ہے۔ اُسی شاہ ولی اللہ والے پرانے نظریے پر کام کرتی ہے۔ گورنمنٹ کے اداروں کی تو یہ رپورٹ ہے کہ انقلابی نظریے پر سچی جماعت اور تربیت کرنے والی جماعت تو صرف شاہ ولی اللہؒ کی تحریک اور جماعت ہے۔

الحمدللہ! ہمارے لیے یہ بڑی سعادت اور خوشی کی بات ہے۔ حال آں کہ ہم بہت گناہ گار ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ ہمارے دوستوں کے ذریعے سے اہلِ حق اکابر کا تعارف بڑھا دے۔ اُن کا نظریہ زندہ ہوجائے، جن کو دشمن نہیں چاہتا۔ دشمن بے روح مذہب کا مخالف نہیں ہے۔ بلکہ اس کو استعمال کرتا ہے۔ آج سے بیس تیس سال پہلے سامراج نے رابطہ عالم اسلامی کو یہ مشورہ دیا کہ مساجد اور مدارس کے لیے زیادہ سے زیادہ امداد دو! تاکہ مولویوں کا ذریعہ معاش وہی بن جائے تو ہمارا کام چلتا رہے گا۔ جتنی مساجد اور جتنے مدارس بناؤ گے، جن کا نظریہ کوئی نہیں تو اتنا ہی بہتر سرمایہ داری نظام قائم رہے گا۔ اور اتنی ہی سامراج کی سیاست بھی قائم رہے گی۔ الحمدللہ! ہم تھوڑا کام کرلیں گے لیکن سامراج کی اتباع قبول نہیں کریں گے۔ اللہ کی مدد سے یہ بات حاصل ہوجائے تو خدا کا شکر ہے۔ نوجوانوں کا اس نظریے کو قبول کرلینا سب کو حیرت میں ڈالتا ہے۔ اور جو جماعتیں موجود ہیں، وہ سرمایہ دارانہ نظام کے ماتحت ہیں۔ جب کہ یہ ولی اللّٰہی جماعت ایک ایسی مثالی جماعت ہے جو کہ اپنے وسائل خود پیدا کرتی ہے۔ کسی کی آلہ کار نہیں بنتی۔ اپنی عقل پیدا کرتی ہے۔ اپنے شعور کو بلند کرتی ہے۔ رہنمائی کی صلاحیت پیدا کرتی ہے۔ اور نوجوانوں کو غفلت سے نکالتی ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ کبھی میں اکیلا پھرتا رہتا تھا۔ کوئی آدمی بات کرنے کے لیے نہیں ملتا تھا۔ آج اس کام کے لیے سفر کا اتنا مطالبہ کرنے والے ہیں کہ ہمیں مجبوراً کہنا پڑتا ہے کہ ہمارے پاس وقت نہیں ہے۔ اللہ نے کتنی برکت ڈال دی ہے! ہمارے لیے اور ہمارے نوجوانوں کے لیے بڑا خوشی کا مقام ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے بڑا عظیم کام لے رہا ہے۔ حال آں کہ کالج اور یونیورسٹی کا نظامِ تعلیم تو لارڈ میکالے کا بنایا ہوا ہے۔ وہ تو نوجوانوں کو گمراہ کر کے اپنا آلہ کار بناتا ہے۔ اور دینی شعور کو ختم کرتا ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ وہ نوجوان، جو کہ دنیاوی مقاصد، یعنی ملازمت وغیرہ کے لیے پڑھتا ہے، حال یہ ہے کہ وہ اگر نظام سے وابستہ نظریہ قبول کرے گا تو اس کو ملازمت ملے گی۔ آج وہ نوجوان حضرت شیخ الہندؒ اور حضرت مدنیؒ کا نام لیتا ہے۔ جب کہ ان حضرات کے شاگرد، اِن کا نام لیتے ہوئے ڈرتے ہیں۔ یہ اللہ کی کتنی بڑی توفیق ہے!

حضرت شیخ الہندؒ علی گڑھ میں نوجوانوں سے ملنے کے لیے ایسی کمزور حالت میں تشریف لے گئے، کہ اس کے کچھ دنوں بعد آپ کا انتقال ہوگیا۔ تو فرمایا کہ میں اپنے شاگردوں سے مایوس ہوں، کیوں کہ وہ بزدل ہیں۔ جب میں ان سے کوئی بات کہتا ہوں تو وہ ستون بن جاتے ہیں۔ آگے سے بولتے ہی نہیں ہیں۔ بھائی! یہ کیسا ادب ہے کہ رہنما کہتا ہے کہ حق کی بات کرو! قربانی دو! تو کوئی جواب نہیں دیتے۔ آپ نے فرمایا کہ میری بیماری کا علاج تمہارے پاس ہے۔ حضرت شیخ الہندؒ کا مشن ان کے عام شاگردوں نے نہیں چلایا۔ آپ کا وہ مشن ابوالکلام آزادؒ، مولانا محمد علی جوہر، ڈاکٹر مختار احمد انصاری، حضرت مدنیؒ اور حضرت سندھیؒ نے چلایا۔ حضرت سندھیؒ نے یہ طریقہ بتایا کہ یہ دیوبند میں جائیں، کبھی دیوبند والے ان کے پاس آجائیں تاکہ کالج والوں میں دین کا شعور پیدا ہو۔ اور دیوبند والوں میں دنیاوی شعور پیدا ہوجائے۔ اور نظامِ تعلیم کی تفریق ختم ہوجائے۔

الحمدللہ! ہم حق پر قائم رہنے کے لیے کوشاں ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں استقامت اور جماؤ عطا فرمائے۔ شاہ ولی اللہ دہلویؒ سے لے کر حضرت شیخ الہندؒ اور ہمارے مشائخ رائے پور تک یہ ایک عظیم تحریک ہے۔ اس تحریک کی تاریخ بھی بڑی عظیم ہے۔

الحمدللہ! آج اللہ تعالیٰ آپ سے وہی کام لے رہا ہے، جو کہ دیو بند کو کرنا چاہیے۔ اور حضرت شیخ الہندؒ کے شاگردوں کو کرنا چاہیے۔ لیکن یہ کام بڑے حوصلے کی بات ہے۔ ہمارا آج کا مذہبی طبقہ سرمایہ دار سے مفاد لیتا ہے۔ وہ اگر سرمایہ دار کے خلاف بات کرے تو اس کا کس طرح گزارا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ہمارے گناہوں پر پردہ ڈالے۔ اور ہمیں ہمت عطا کرے کہ ہم اس طرح کام کریں کہ اکابر کا نظریہ زندہ ہو جائے۔ ہر دور میں علمائے حق وہ ہوتے ہیں، جو کہ صحابہ کرامؓ کے جانشین ہوتے ہیں۔ اور اسی نظریے پر کام کرتے ہیں۔ اور صحابہ کا نظریۂ تعلیم و تربیت کیا ہے؟ تو آپ دیکھیں کہ سارے صحابہ کرامؓ مظلوم عیسائیوں کو آزادی دلانے اور مظلوم ایرانیوں کو ظلم سے نکالنے کے لیے شہید ہونے کے لیے تیار ہیں۔ صحابہ کرامؓ کی کتنی بڑی شان ہے کہ ہزاروں اولیاء اللہ ایک صحابی کے برابر نہیں ہو سکتے۔ وہ قربانی کہاں دے رہے ہیں! اس میں اللہ اور اس کے رسولؐ کا منشا کیا ہے! آج مذہب کو سرمایہ دار استعمال کرتا ہے۔ لیکن مذہب کا جو اصل نظریہ ہے، ظلم ختم کرنے کا، عدل کو غالب کرنے کا، اللہ کی مخلوق کو غلامی سے نکالنے کا، یہ کام نہیں کیا جا رہا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے سب انسانوں کا رزق دیا ہے۔ لیکن یہ سرمایہ دار اور جاگیر دار رزق پر قبضہ کر لیتا ہے۔ اور معاشرے میں بھوک پیدا ہو جاتی ہے۔

دین کا انقلاب دراصل انسانیت کا انقلاب ہے۔ عیسائی، یہودی، مشرک اور کافر کوئی بھی مظلوم ہو، رسولؐ کے نظریے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مسلمان جماعت کو اس مظلوم کا خیر خواہ ہونا چاہیے۔ خواہ وہ مظلوم کہیں بھی رہتا ہو، اس کی ہم دردی ضروری ہے۔ ہمت ہو تو مظلوم کی مدد کرو، ورنہ مظلوم کا ظلم دور کرنے کی خواہش اور ارادہ رکھو۔ اور ظالم کے ظلم سے نفرت کرو۔ یہ دین ہے۔ اللہ کی عبادت کا نتیجہ کیا ہوتا ہے۔ اس سے انسان کو اللہ کی مخلوق سے محبت ہو جاتی ہے۔ کیوں کہ جب عبادت کے ذریعے سے اللہ سے محبت ہوگی تو ساری مخلوق اس کا کنبہ ہے۔ تو اللہ تعالیٰ اپنے تعلق کو پہچانتا ہے کہ میری مخلوق اور کنبے کے لیے کیا کرتا ہے۔ اگر میری مخلوق سے محبت نہیں تو پھر میرے سے محبت کیسی ہے! کسی بڑے آدمی سے محبت ہو تو اس کی اولاد سے بھی محبت ہوتی ہے۔ اس لیے مذہب میں جو سچا کردار ادا کرتا ہے تو اس کی پہچان یہ ہوتی ہے کہ وہ ظالم کا مقابلہ کرے۔ اور اس کی مزاحمت کرے۔ اور مظلوم کو آزادی دلائے۔ تو دینی انقلاب کا مقصد یہ ہے کہ پوری انسانیت کی فلاح و بہبود کے لیے کام کیا جائے۔ اور یہ اتنا اونچا نظریہ ہے کہ اس نظریے کے سامنے کوئی نہیں ٹھہر سکتا۔ ہم کتنے ملکوں کی تعریف کرتے ہیں کہ وہ انقلاب لائے۔ اور اپنے مسائل حل کیے۔ لیکن ان کے حکمران دوسرے ملکوں کو لوٹ رہے ہوتے ہیں۔ تو زیادہ سے زیادہ ان کی قومی سوچ ہوگی، لیکن دین اسلام کی تعلیمات میں تو یہ سوچ پوری انسانیت کے لیے ہے۔ کیوں کہ خدا، رسول اللہ اور قرآن حکیم کی تعلیمات پوری انسانیت کے لیے ہیں۔ خَیْرُ النَّاسِ مَن یَّنْفَعُ النَّاس (بہترین انسان وہ، جو تمام انسانون کو نفع پہنچائے) یہ نظریہ اگر پختہ ہو جائے تو ساری دنیا میں انقلاب آسکتا ہے۔ یہ کوئی معمولی نظریہ تو نہیں ہے۔ جب برطانیہ کے مظلوموں کی بھی آپ ہم دردی کریں گے تو برطانیہ کے نظام کا تختہ پلٹ دیں گے۔ امریکہ کے عوام کو بھی ہم کہیں گے تم ملٹی نیشنل کمپنیوں کے ایجنٹ بنے پھرتے ہو، تم اپنے حقوق لو! تو نوے فی صد امریکی عوام ہمارے ساتھ ہوں گے۔ یہ سب صدر اور ملٹی نیشنل کمپنیاں پلٹ جائیں گی۔ اگر اس نظریے پر ہمارا یقین بڑھ جائے اور تربیت ہو جائے تو یہ بہت بڑا راستہ ہے۔ اندازہ لگائیں کہ دین تو غلبے کے لیے آیا ہے، لیکن آج دین کے نمائندے کفر کے غلبے میں رہ رہے ہیں۔ اس لیے غلبۂ دین کا نظریہ رکھنا، عدل و انصاف کا قائم ہونا، معاشی خوش حالی پیدا ہونا اور معاشروں کو ترقی دینا ضروری ہے۔ خواہ کوئی انسان ہو۔ دین میں عقیدے کی نفرت نہیں ہے۔ دین میں تو صرف دو قسمیں ہیں: ظالم اور مظلوم۔ ظالم طبقہ کسی معاشرے میں پانچ فی صد ہوتا ہے۔ اور مظلوم پچانوے فی صد ہوتے ہیں۔ آج جب کہ جمہوریت کا دور ہے۔ جب آپ کو پچانوے فی صد مظلوموں کی حمایت حاصل ہوگی تو ظالم طبقہ کیسے آئے گا۔ اس لیے یہ سوچو کہ یہ نظریہ جتنا زندہ ہوگا تو معاشرے کا مظلوم طبقہ اس کی طرف آئے گا۔ جب حضورؐ کی حکومت آئی اور مکہ فتح ہوا تو یہ دین کا غلبہ تھا۔ سیرت کا ایک واقعہ ہے کہ کچھ لوگوں سے غلطی ہوگئی۔ حضورؐ نے ان کے لیے سزا تجویز کی تو حضرت جبرائیل علیہ السلام تشریف لائے۔ اور فرمایا کہ یارسول اللہ! آپ نے ان لوگوں کے لیے سزا تجویز فرمائی ہے؟ حضورؐ نے فرمایا کہ ہاں! تجویز کی ہے۔ اس پر حضرت جبرائیل علیہ السلام نے فرمایا کہ ان میں سے چار کو سزا دے دو اور باقی کو چھوڑ دو۔ حضورؐ نے پوچھا کہ جبرائیل یہ حکم لائے ہو یا مشورہ دے رہے ہو۔ انھوں نے کہا کہ میں تو اللہ تعالیٰ کا حکم لایا ہوں۔ تو حضورؐ نے فرمایا کہ اس کی وجہ کیا ہے؟ تو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ شخص صلہ رحمی کرتا ہے۔ یہ سرمایہ پرست نہیں ہے۔ یہ عوام کا خیال کرتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کو پسند ہے کہ اس کی مخلوق کے کام آتا ہے۔ دنیا میں جب انسان کا اَخلاق اچھا ہو گیا کہ وہ انسانیت سے ہم دردی کرتا ہے تو اللہ اس انسان کو پسند کرتے ہیں۔ اس کی مدد کرتے ہیں۔

اندازہ لگائیں کہ دین تو غلبے کے لیے آیا ہے، لیکن آج دین کے نمائندے کفر کے غلبے میں رہ رہے ہیں۔ اس لیے غلبۂ دین کا نظریہ رکھنا، عدل و انصاف کا قائم ہونا، معاشی خوش حالی پیدا ہونا اور معاشروں کو ترقی دینا ضروری ہے۔

ہمارے ہاں کہتے ہیں کہ ایمان کی محنت ہونی چاہیے۔ بھائی! دین والوں کا کون سا ایمان ہوتا ہے؟ ایمان اس پر ہونا چاہیے کہ ہم نے ظلم کو ختم کر دینا ہے۔ مظلوم انسان اللہ کی مخلوق ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کا رب ہے۔ اور ہم اللہ پر ایمان رکھتے ہیں تو ہم اپنا مال، جان، اللہ کی مخلوق کے ظلم کو مٹانے کے لیے خرچ کر دیں گے تو یہ ایمان ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مدد کے بغیر دین ترقی نہیں کر سکتا۔ اللہ تعالیٰ کی مدد کے بغیر تو کوئی انقلاب بھی ترقی نہیں کر سکتا۔ ان میں ایمان تو نہیں ہے، لیکن مسلمان جماعت میں معاشرے سے ظلم ختم کرنے پر اور معاشرے میں عدل و انصاف قائم کرنے پر ایمان ہے۔ اس لیے اسے تو سچی خدا پرستی اور انسان دوستی کے لیے کام کرنا ہے۔ ماشاء اللہ! بڑے بڑے لیڈر تقریر کرنے والے کہتے ہیں کہ اب تو امام مہدی آئیں گے۔ تو بھائی! اگر امام مہدی آئیں گے تو وہ بھی یہی عدل و انصاف کے غلبے کا کام کریں گے۔ (یملأ الأرض قسطاً و عدلاً) ہم اگر کہتے ہیں کہ قیامت ہزار سال تک نہیں آئے گی تو کیا پھر ایک ہزار سال تک کوئی کام نہیں کرنا؟ قرآن حکیم پر عمل نہیں کرنا؟ صحابہ کرامؓ کے اُسوۂ حسنہ کے مطابق زندگی نہیں بنانی؟ کیسی بات ہے!؟ میں تو کہا کرتا ہوں کہ عدل و انصاف کے لیے کام کرو۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ امام مہدی آئیں گے۔ تو فکر نہ کرو امام مہدی تو ایک ہزار سال تک نہیں آئیں گے۔ اور جب آئیں گے تو زمین کو عدل و انصاف سے بھر دیں گے۔ دیکھو! جس کو قیامت کہتے ہیں، وہ علامات ہوتی ہیں، جیسے ایک مرض کی علامات ہیں۔ ایک ڈاکٹر پہلے علامتیں دیکھے گا کہ یہ بیماری کس وجہ سے ہے، پھر اس کا علاج کرے گا۔ اسی طرح قیامت کی علامتیں کیا ہیں؟ بدامنی، ظلم، قتل و غارت گری، جھوٹ، تجارت میں دھوکہ وغیرہ ہیں۔ یہ چیزیں اگر کسی معاشرے میں آجائیں تو یہ اس بات کی علامات ہیں کہ اس معاشرے پر عذاب آئے گا۔ تو ایسے میں کیا کرنا چاہیے؟ کیا قیامت کو لانا چاہیے؟ یا معاشرے میں برائیاں ختم کر کے قیامت کو دور کر دینا چاہیے۔ حضورؐ فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے مجھے مبعوث کیا تو دنیا میں قیامت کبریٰ آنے والی تھی۔ سارے مذاہب اس وقت فیل تھے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے حضورؐ اور صحابہ کرامؓ کو جس جدوجہد کی توفیق عطا فرمائی، اس سے قیامت کی علامات: ظلم، ناانصافی، رشوت وغیرہ ختم ہو گئیں۔ تو اس طرح قیامت 13 سو سال تک دور چلی گئی۔ تو تم اگر کوشش کرو تو ہزار سال تک پیچھے چلی جائے گی۔ کوشش کرنی چاہیے نہ کہ انتظار کرنا چاہیے کہ قیامت آ رہی ہے۔ اور اُسے بلا لو۔ قرآن کے ہوتے ہوئے قیامت کو بلا رہے ہیں!

اس لیے آپ اس بات کو سمجھیں کہ یہ جو نظریہ انسانیت کی خدمت کرنے کا ہے، اس سے تفرقے اور جغرافیے کی نفرتیں، سب ختم ہو جاتے ہیں۔ سب سامراجی طاقتیں وہ ہیں، جنھوں نے مختلف چیزوں پر قبضے کیے ہوئے ہیں۔ کسی نے سونے پر، کسی نے معدنیات پر، تو گویا کہ یہ ساری طاقتیں دراصل ڈاکو

ہیں۔ان کی اپنی کوئی کمائی نہیں ہے۔ان کے نظام اور سسٹم کی وجہ سے کوئی خوش حالی پیدا نہیں ہوتی، بلکہ جو ممالک ان سے آزاد ہوتے جا رہے ہیں، وہ کام یاب ہیں۔اور یہ سامراجی ممالک ہیں۔ان میں سرمایہ دارانہ نظام کی وجہ سے غربت آ رہی ہے۔امریکہ کے حالیہ سرمایہ دارانہ بحران کی وجہ سے ان میں غربت آ گئی۔ برطانیہ میں بھی آئندہ چل کر یہی صورتِ حال بنے گی۔

اللہ کا شکر ہے! کہ آج ہم نے اپنے اکابر کے اصولوں پر ادارہ قائم کیا ہے۔تھوڑا کام کرنا ہے۔ زیادہ کی حرص نہیں کرنی۔ بڑے بڑے میناروں والی مساجد نہیں بنانی۔ بلکہ جتنا کام ہو، صحیح اور درست اصولوں پر ہو۔انسانیت پر خود خرچ کرو۔اور خوب محنت کرو۔لیکن زیادہ وسائل والے سلسلے اور حرص و لالچ سے بچ کے رہو۔اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ جماعت کی برکت سے کئی ادارے بن گئے۔اور مزید بنتے جائیں گے۔اور اللہ تعالیٰ ان نوجوانوں کو اور ہمت عطا کرے کہ وہ اپنے دیگر نوجوان بھائیوں کو، جو کہ بھٹکے ہوئے ہیں، زیادہ سے زیادہ محنت کر کے غلط نظام کی تائید سے بچائیں۔ایک انفرادی گناہ ہوتے ہیں کہ ہم نے نماز اور روزے میں کوتاہی کر دی۔عبادات میں سستی کر دی۔تو یہ سستی اللہ تعالیٰ توبہ سے بھی معاف کر دیتے ہیں۔لیکن ظالم کا ساتھ، ظلم کا ساتھ دینا، یہ بہت بڑا اور اجتماعی گناہ ہے۔اس کی وجہ سے دنیا میں عمومی عذاب آ جاتا ہے۔کفر، شرک اور عقیدے کی خرابی کی بنیاد پر دنیا میں عمومی عذاب نہیں آتے۔ان کا عذاب آخرت میں ہوگا۔دنیا میں جب بھی عذاب آئے گا تو بُری خصلتوں سے آئے گا، مثلاً جھوٹ سے، دھوکے سے، فریب سے، قتل و غارت گری سے، غلط نظام قائم کرنے سے اور غلط نظام کا ساتھ دینے سے۔یہ تمام جرائم عذابِ الٰہی کو دعوت دیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ (112:11) ''یاد رکھنا کہ تم نے اگر ظالم نظام کا ذرا بھی ساتھ دیا تو تم پر عذاب آ جائے گا۔'' آج ہم اس کی پرواہ نہیں کرتے۔اب ہم پر ظلم کا نظام مسلط ہے۔اور اس سے تنگ بھی آ رہے ہیں، لیکن پارٹی وہی ہے، جو نظامِ ظلم قائم کر رہی ہے۔مسجد میں نماز پڑھیں گے، لیکن پارٹی وہی ظلم والی ہوتی ہے۔تو پھر آپ ہی بتائیں کہ توبہ کیسے قبول ہوگی۔یاد رکھو! نظامِ ظلم کا ساتھ دینے والے کی تو توبہ بھی اس وقت تک قبول نہیں ہوتی، جب تک اس نظام سے توبہ نہ کرے۔آج ہمارے لیڈر کون سے ہیں؟ ظالم، مفاد پرست، خواہش پرست اور لٹیرے۔حال آں کہ قرآن حکیم کہتا ہے کہ: وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا (28:18) کہ ایسے آدمی کو لیڈر نہ بنانا، جس کے دل میں خدا کا خوف ہی نہیں ہے۔خواہش پرست اور لٹیرا ہے۔مفاد پرست ہے۔ظلم کرتا ہے۔لہٰذا اس کا ساتھ نہ دینا۔اس کو لیڈر نہ بنانا ورنہ تم پر بھی عذاب آ جائے گا۔قرآن حکیم دوسری جگہ ارشاد فرماتا ہے: اِنَّمَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ قٰتَلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَاَخْرَجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ وَظٰهَرُوْا عَلٰٓى اِخْرَاجِكُمْ اَنْ تَوَلَّوْهُمْ ۚ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ (9:60) کہ ایسا سامراجی نظام، جو دوسرے ملکوں پر جنگ مسلط کرتا ہو۔اور وہاں کے انسانوں کو ہجرت کرنے پر مجبور کر دیتا ہو۔قتل و غارت گری کرتا ہو۔ایسے سامراجی نظام کا ساتھ دینا اور اس کے بلاک میں جانا، بڑے عذاب کو دعوت دیتا ہے۔اب تم بتاؤ کہ یہ ساری عرب ریاستیں کس کے ساتھ ہیں؟ کیا یہ امریکہ اور یورپ کے ساتھ نہیں ہیں؟ تو پھر اللہ تعالیٰ دعا کیسے سنے؟ میں سوچ رہا تھا کہ عرفات و منیٰ میں اتنے لوگ جمع ہوتے ہیں اور وہ قبولیت کے مقامات ہیں۔ ہر ملک کے لوگ جاتے ہیں۔اور اپنے اپنے ملک کے لیے دعائیں مانگتے ہیں، لیکن جب واپس جاتے ہیں تو اور ظلم بڑھا ہوا ہوتا ہے۔چوں کہ ظلم کا ساتھ دے رہے ہیں، اس لیے دعا کیسے قبول ہو؟

اللہ تعالیٰ ان اکابر کے سچے نظریے کا شعور عطا فرمائے۔یہ نظریہ ایسا ہے، جس پر لاکھوں لوگوں نے قربانیاں دی ہیں۔چالیس پچاس ہزار تو وہ علمائے حق ہیں، جن کا تعلق ولی اللّٰہی تحریک کے ساتھ تھا۔ ان کو 1857ء میں بڑی بے دردی کے ساتھ شہید کر دیا گیا۔اللہ تعالیٰ ہمیں اس نظریے کو زندہ کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔اور ہم اپنے ان نوجوانوں کو اکابرین کے اس نظریے سے جوڑیں۔ہم اپنے اکابر رحمۃ اللہ علیہ سے محبت کریں۔ان کے نقش قدم پر چلیں۔اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔آمین

رفتارِ کار...... عتیق الرحمٰن ایڈووکیٹ

حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوری دامت برکاتہم العالیہ اور اراکین ادارہ رحیمیہ کا حج کے لیے حرمین شریفین کا سفر

خانقاہِ عالیہ رحیمیہ رائے پور کے مسند نشین حضرت اقدس شاہ سعید احمد رائے پوری مدظلہ 12 اکتوبر 2010ء کو اپنے خلفا اور متوسلین کے ساتھ فریضۂ حج کی ادائیگی کے لیے حرمین شریفین زادہما اللہ شرفاً و تعظیماً کے مبارک سفر پر تشریف لے گئے تھے۔اس سفر میں آپ کے ہمراہ صدر ادارہ رحیمیہ، ناظمِ اعلیٰ، اراکین مجلس مشاورت اور دیگر احباب بھی تھے۔اکتالیس روزہ اس مبارک سفر میں اس وفد نے پہلے بیس دن مکۃ المکرّمہ زادہا اللہ شرفاً و تعظیماً میں قیام کیا۔اس دوران عمرے کی ادائیگی اور مکہ مکرمہ کے فیوض و برکات سے مستفیض ہوئے۔پھر دس روز مدینہ منورہ زادہا اللہ شرفاً و تعظیماً میں اس وفد کا قیام رہا۔ اس دوران روضۂ رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر حاضری اور آپؐ کے فیوضات و برکات سے مستفیض ہوئے۔پھر آخری دس روز اس وفد کا قیام فریضۂ حج کی ادائیگی کے سلسلے میں مکۃ المکرّمہ، منیٰ، عرفات اور مزدلفہ میں رہا۔اور ان مشاعرِ مقدسہ اور تجلیات و انوارات الٰہیہ سے مستفیض ہوا۔اس مبارک سفر میں حرمین شریفین اور دیگر مقاماتِ مقدسہ میں علما و صلحا سے ملاقاتیں رہیں۔اور حجاجِ کرام کے تربیتی پروگراموں میں حضرت اقدس دامت برکاتہم العالیہ کے خلفا نے خطابات اور بیانات فرمائے۔اور مناسکِ حج کی ادائیگی کا طریقہ، اس کے مقاصد و اہداف، اس کی حکمتیں اور اثرات و نتائج سے حجاجِ کرام کو آگاہی دی۔نیز فرسودہ نظاموں کے خاتمے کے حوالے سے دین کے غلبے کی شعوری محنت اور اس کے لیے جدوجہد کی اہمیت واضح کی گئی۔

حضرت اقدس رائے پوری اور آپ کے رُفقائے سفر، حرمین شریفین میں چالیس روزہ قیام اور فریضۂ حج کی ادائیگی کے بعد 22 نومبر 2010 کو بوقت 12:30 بجے دوپہر لاہور ائیر پورٹ پر تشریف لائے۔ملک کے طول و عرض سے آئے ہوئے خانقاہِ رحیمیہ کے وابستگان اور سلسلۂ عالیہ رائے پور کے متوسلین آپ کے استقبال کے لیے موجود تھے۔جنھوں نے حضرت اقدس مدظلہ اور ان کے وفد میں شامل حجاجِ کرام کا پُر جوش استقبال کیا۔ائیر پورٹ کے گراؤنڈ فلور پر موجود احباب کے درمیان حضرت اقدس اور آپ کے خلفا کا قیام دیدنی تھا۔شرکا کے چہروں پر خوشی و انبساط کے تأثرات پھوٹ رہے تھے۔دراصل یہ حضرت اقدس مدظلہ اور خانقاہ سے تعلق کا اظہار تھا۔جس سے شرکا کے جذبۂ اصلاح و تربیت کے لیے عزم و ارادے کو محسوس کیا جا سکتا ہے۔تمام شرکا کے درمیان حضرت اقدس نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھا دیے۔دعا کے بعد پورا قافلہ ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ کوئینز روڈ لاہور کی طرف چل پڑا۔ادارے کے مین دروازے پر بھی سینکڑوں احباب استقبال کے لیے موجود تھے۔جنھوں نے حضرت اقدس اور شرکائے وفد کو گلدستے پیش کر کے استقبال کیا۔

بعد ازاں نمازِ عشا کے بعد حضرت اقدس دامت برکاتہم العالیہ اور دیگر حجاجِ کرام کی زیارت اور ملاقات اور ان کے فیوضات سے استفادے کے لیے ایک تقریب کا اہتمام کیا گیا۔جس میں ملک بھر سے آنے والے احباب نے شرکت کی۔اس تقریب میں حضرت اقدس دامت برکاتہم العالیہ، صدر ادارہ رحیمیہ ڈاکٹر مفتی سعید الرحمٰن، ناظمِ اعلیٰ ادارہ رحیمیہ مفتی عبدالخالق آزاد اور صدر نظامِ المدارس الرحیمیہ مفتی عبدالمتین نعمانی نے خطاب کیا۔جس میں سفرِ حج کی سعادتوں، برکتوں اور پہنچنے والے فیض کی بابت آگہی دی گئی۔مزید برآں فلسفۂ حج اور اس کے مقاصد و اہداف، اسرار و حکمتیں اور اثرات و نتائج پر بات کی گئی۔حج اور دیگر عبادات کے معاشرتی اور سماجی پہلوؤں پر اظہارِ خیال کیا گیا۔ادارے کے تینوں ہال اور اطراف میں موجود خالی جگہیں شرکا سے بھری ہوئی تھیں۔شرکا نے بڑے انہماک اور توجہ سے بیانات سنے۔تقریباً رات ایک بجے پروگرام تکمیل پذیر ہوا۔اور خانقاہ کے متوسلین و مریدین واپس اپنے اپنے شہروں کو روانہ ہو گئے۔

مدیرِ اعلیٰ مفتی عبدالخالق آزاد طابع و ناشر نے اے۔جے پرنٹرز 28/A نسبت روڈ، لاہور سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ ''رحیمیہ'' رحیمیہ ہاؤس 33/A کوئینز روڈ، لاہور سے شائع کیا۔